بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

سائنس اور ادب میں علامت (SYMBOL) اور رمزیت (SYMBOLISM.) کو جو بھی اہمیت حاصل ہے، اُس کے اعتراف کے باوجود یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ مذہب دشمن عناصر نے مذہب کی تضحیک و تذلیل کے لیے اِن سے بڑا فائدہ اُٹھایا ہے۔ جس طرح نظم و نثر میں استعارات اور تشبیہات کے بغیر چاشنی پیدا نہیں ہوسکتی، اِسی طرح موزوں علامات کے بغیر ان میں اختصار اور معنویت کا حُسن بھی پیدا نہیں ہوتا۔ اِس بنا پر علامات کا استعمال ہمیشہ فصاحت و بلاغت کی ایک ناگزیر ضرورت رہا ہے۔ ہمارے ہاں اردو ادب میں لاتعداد ایسی علامات رواج پاچکی ہیں جن کی تہ میں معانی و مطالب کے گنج ہائے گرانمایہ موجود ہیں۔ مثال کے طور پر خالد ہمارے ہاں ایک نام ہی نہیں بلکہ یہ ایک علامت ہے جرأت، پاکبازی، انتہائی جذبۂ ایثار اور شوقِ شہادت کی۔ اِسی طرح ہلاکو خاں محض ایک فاتح نہیں، بلکہ یہ ایک علامت ہے درندگی اور شقاوتِ قلب کی۔

پھر تاریخ اور ادب اِس حقیقت پر بھی شاہد ہیں کہ جہاں لوگوں نے مختلف علامات کو مختلف مطالب بیان کرنے کے لیے پوری دیانت داری کے ساتھ استعمال کیا، وہاں بعض بدطینت افراد نے اُن سے کچھ طبقوں کو رُسوا اور ذلیل کرنے کا بھی کام لیا۔ یہ ناپاک کوشش یوں تو ہر دَور میں کسی نہ کسی صورت میں ہوتی رہی ہے لیکن مارٹن لوتھر کی سرپرستی میں رومن کیتھولک کے خلاف جو تحریک اُٹھی، اُس میں علامت کے ہتھیار کو بے دریغ استعمال کیا گیا۔ مذہب کے جن معتقدات، افعال و اعمال، اخلاقی معیارات اور طبقات کے خلاف ذہن کے اندر تکدر پیدا ہوا اور جنہیں اپنے دلپسند نظریات سے ذرا دُور پایا

اُن کے لیے پہلے تو نفرت انگیز علامتیں وضع کی گئیں اور پھر ان علامتوں کے ذریعہ اُنہیں معاشرے میں بدنام کرنا شروع کر دیا گیا۔

آپ خود سوچیے کہ 'پادری' کا لفظ سن کر آپ کے ذہن میں آخر ایک ایسے شخص کا تصور اُبھر کر کیوں آتا ہے جس پر جنون کی کیفیت طاری ہو، جس نے عقل و فکر کی ساری قوتوں کو خود تیاگ دیا ہو، جس کی آنکھوں پر تعصبات کی پٹیاں بندھی ہوتی ہوں، جو ترقی کا سب سے زیادہ مخالف ہو، جسے انسانی ضمیر کو کچلنے میں بڑا مزہ آتا ہو اور جس کی سرگرمیوں کا محور صرف یہی ہو کہ مذہب کے نام پر سادہ لوح عوام کو دھوکہ دیا جائے۔ مذہبی رہنما کی یہ بھیانک تصویر کس نے تیار کی اور کیا جس شخص نے یہ مذموم حرکت کی ہے اُس کے بارے میں سینے پر ہاتھ رکھ کر کوئی منصف مزاج شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ اُس نے ایسا کرتے ہوئے عدل و انصاف سے کام لیا ہے؟

یہاں قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ لوگ آخر ایسا کیوں کرتے ہیں؟ اس کی دو وجوہ ہیں: ایک وجہ تو صاف اور ظاہر ہے کہ عوام اپنے مذہبی رہنماؤں کو سیرت و کردار کے اعتبار سے اُس بلند مقام پر فائز دیکھنا چاہتے ہیں جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کرام کو فائز کیا اور اپنی اس نیک اور مقدس خواہش میں اس عظیم فرق کو بھول جاتے ہیں جو ایک نبی اور غیر نبی کے درمیان پایا جاتا ہے۔ نبی منزہ عن الخطا ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ خود اُسے ہر لغزش کے ہر گناہ سے محفوظ رکھتا ہے، لیکن باری تعالیٰ نے یہ اہتمام غیر نبی کے معاملے میں نہیں کیا۔ اس بنا پر کسی نیک سے نیک شخص سے بھی بڑے سے بڑا گناہ سرزد ہو سکتا ہے۔ اس بنا پر کسی غیر نبی کے اخلاق کو نبی کے اخلاقی معیار پر پرکھ کر اُس پر کوئی حکم لگانا درست نہیں۔ مگر عوام اس حقیقت کو فراموش کر دیتے ہیں اور خود توجہ چاہیں کرتے رہیں لیکن ایک دیندار شخص سے یہ ضرور توقع رکھتے ہیں کہ وہ ہر کوتاہی سے پاک ہو اور جب اُنہیں اپنی توقعات سو فیصد پوری ہوتی نظر نہیں آتیں تو مذہبی طبقے کے بعض افراد کی چند کوتاہیوں کو دیکھ کر وہ یہ فیصلہ صادر کر دیتے ہیں کہ پورا مذہبی طبقہ ہی بگڑا ہوا ہے اور اپنی اس رائے کو اس شد و مد کے ساتھ پھیلاتے ہیں کہ مذہبی طبقہ بُرائی کا نشان بن کر رہ جاتا ہے۔ وہ ایسا کرتے وقت اس بات کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ ایک طبقے کی چند انفرادی لغزشوں کو سامنے رکھ کر

کوئی عمومی نتیجہ اخذ کر لینا ایک منطقی مغالطہ ہے۔ تخصیص سے تعمیم کا اُصول اُن معاملات میں تو کسی حد تک درست ہو سکتا ہے جہاں اُن میں یکسانیت موجود ہو، لیکن جہاں ہر معاملے کی نوعیت الگ اور جداگانہ ہو وہاں کسی خاص معاملہ پر قیاس کر کے کوئی عمومی نتیجہ نکالنا کسی طرح بھی درست نہیں ہوتا۔ مذہبی گروہ کے ان بے سمجھ خیر اندیشوں کی اگرچہ نیت بخیر ہوتی ہے لیکن ان کی غیر ذمہ دارانہ باتوں سے مذہب دشمن خوب فائدہ اُٹھاتے ہیں۔

مذہبی طبقوں کو بدنام کرنے کی دوسری وجہ فسادِ نیت اور خبثِ باطن ہے۔ مذہب کے بارے میں عوام کے احساسات چونکہ بڑے نازک ہوتے ہیں اس لیے اگر انہیں معمولی ٹھیس بھی پہنچائی جائے تو وہ برہم ہو جاتے ہیں، اس بنا پر مذہب سے کدر رکھنے والے آبرو باختہ اور دوں ہمت طبقے کو اس بات کی جرأت تو نہیں ہوتی کہ وہ مذہب کے خلاف براہ راست کوئی بات کر کے عوام کے غیظ و غضب کا نشانہ بنے، بلکہ وہ رمزیت کی مدد سے مذہب کے خلاف اپنی دلی نفرت اور بیزاری کا اظہار کرتا ہے۔ یہاں ہمارے پیش نظر یہ بات نہیں کہ دوسرے مذاہب کی اہانت کے لیے ان کے بزدل دشمنوں نے رمزیت کے کون کون سے اسلوب اختیار کیے ہیں؟ موضوع اگرچہ اپنی جگہ بڑا اہم ہے اور اگر اس پر کوئی تحقیقی کام کیا جائے تو یہ مذہب اور ادب کی تاریخ میں بیش قیمت اضافہ ہوگا، لیکن یہاں ہم اختصار کے ساتھ اسلامی نام رکھنے والے اور مسلم معاشرے سے بھرپور فائدہ اُٹھانے والے اُن اعدائے دین کی کارستانیوں کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جو "ملا" کی آڑ میں اسلام کی توہین کرنے کے درپے ہیں۔ اسلام چونکہ پاکستان کی سب سے بڑی قوت ہے اور مسلم معاشرے سے وابستگی دُنیوی مفادات کے حصول کا ایک نہایت ہی مؤثر ذریعہ ہے، لہٰذا دینِ حق کے اِن بدخواہوں کو اس بات کی ہمت نہیں پڑتی کہ دین کے خلاف برملا اپنی دلی کدورت کا اظہار کریں یا جرأت سے کام لے کر کھلے بندوں اس حقیقت کا اعتراف کریں کہ وہ اسلام کو سچا دین تسلیم نہیں کرتے اور اُن کا مسلم معاشرے سے کوئی تعلق نہیں۔ چنانچہ ان پست ہمت دشمنانِ دین کے لیے دین سے بیزاری ظاہر کرنے کا ایک ہی راستہ رہ جاتا ہے کہ وہ علامت و رمزیت سے کام لے کر اپنی خباثتِ نفس کا مظاہرہ کریں۔

"مولوی" وہ پہلی علامت ہے جس کے ذریعہ بدباطن اپنے دل کی بھڑاس نکالتے ہیں۔ مولوی چونکہ دین کا علمبردار تصور کیا جاتا ہے، اس بنا پر یہ بدطینت لوگ سمجھتے ہیں کہ اگر معاشرے میں اسے نکو بنا دیا جائے تو جس دعوت کا یہ داعی ہے وہ خود بخود عوام کی نظروں میں بے وزن ہو کر رہ جائے گی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلم معاشرے کے دوسرے طبقات کی طرح مولوی کا اخلاقی اور علمی معیار وہ نہیں رہا جو صدرِ اوّل میں تھا، لیکن اس امر کو ایک حد تک تسلیم کر لینے کے باوجود اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جس بے سروسامانی کے عالم میں اور مخالفتوں کے طوفانوں میں علما نے دین کی شمع کو کسی نہ کسی طرح فروزاں رکھنے کی جدوجہد کی وہ قابلِ ستائش ہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں جب دنیوی مفادات کے پجاری غیر ملکی سامراج کو اپنی دلی ہمدردیوں اور وفاداریوں کا یقین دلا رہے تھے تو اُس وقت یہی "مُلّا" انگریزی تسلط کے خلاف نہایت پامردی سے صف آرا تھا اور حصولِ آزادی کی پاداش میں یا تو حوالۂ زنداں کیا جا رہا تھا یا تختۂ دار پر لٹکایا جا رہا تھا۔ آپ ذرا پاک و ہند میں انگریز کی دو سو سالہ عملداری کی تاریخ کا مطالعہ کریں اور اس میں اُس کے خلاف اُٹھنے والی تحریکات کا تجزیہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اُن سب میں بیچارا "مُلّا" ہی پیش پیش رہا اور سامراجی حکومت کے مظالم کا نشانہ بنتا رہا۔

اِس "بدنام" مُلّا نے نہ صرف انگریز کے سیاسی تسلط سے ہندوستان کو نجات دلانے کی سعی کی بلکہ مغرب کی تہذیبی یلغار سے اپنے ابنائے وطن بالخصوص مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کے لیے فکری اور عملی تدابیر اختیار کیں۔ ایک طرف تو اُس نے اُنہیں مغربی تہذیب کے مضرت رساں پہلو سے آگاہ کیا اور دوسری طرف وطن کے گوشے گوشے میں دینی مدارس قائم کر کے مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات سے بہرہ ور کرنے کی کوشش کی اور اِس طرح اُن کے اندر خود اعتمادی پیدا کی۔ پاک و ہند کے مسلمانوں کی معاشرتی زندگی خصوصاً اُن کی عائلی زندگی کے اسلامی تشخص کا مغربی تہذیب کی دست بُرد سے کافی حد تک محفوظ رہنا صرف علمائے دین کی گہری بصیرت اور اُن کی عملی کاوشوں کا ثمرہ ہے۔

اِس "تنگ نظر" مُلّا کے مقابلہ میں مفاد پرستوں نے، جو آجکل روشن خیالی کے علمبردار بنے پھرتے ہیں، اِس ملک میں جو کردار ادا کیا ہے اُسے کسی اعتبار سے کوئی قابلِ فخر کردار نہیں کہا جاسکتا۔ اُنہوں نے قوم کو

ایک ایسا طرزِ فکر دیا جس سے مغرب کی ذہنی غلامی کی راہ ہموار ہوئی اور پھر اِس غلامی کے نتیجے میں اُس کے سارے اخلاقی معیارات اور خوب و ناخوب کے پیمانے بدل کر رہ گئے اور "اُمّتِ وسط" میں سے ایک اچھی خاصی تعداد ایسے افراد کی اُبھر کر سامنے آئی جسے اپنے مسلمان ہونے پر نہیں، بلکہ غیر اسلامی افکار کے داعی ہونے پر ناز ہے۔ اِس طبقے کو غیر ملکی سامراج نے بھی دل کھول کر نوازا۔ انہیں حکومت کی "وفاداری" کے صلہ میں بڑی بڑی جاگیریں عطا کیں، اُنہیں نہایت اونچے مناصب پر فائز کیا گیا اور اِس طرح مسلم قوم کے اندر سے ایک ایسا طبقہ پیدا کر لیا جو اُس کی روایات اور اُس کے احساسات سے یکسر بیگانہ تھا، بلکہ ان سب کے بارے میں معاندانہ طرزِ فکر رکھتا تھا۔ مگر اِس طبقے کی عیاری ملاحظہ ہو کہ وہ اپنی فنکارانہ مہارت سے اُس گروہ کو رُسوا اور بدنام کرنے میں کامیاب ہوا ہے جو آج بھی اپنی ساری خامیوں اور کوتاہیوں کے باوجود شرعِ متین کا محافظ اور امین ہے۔ دین دشمن عناصر نے اُس کی اِس انداز سے تصویر کشی کی ہے کہ اُس کے نام کے ساتھ ہی ایک ایسے دقیانوسی، رجعت پسند، تنگ نظر اور عقل و فکر سے عاری شخص کا تصور سامنے آجاتا ہے جو مسلم معاشرے کے مفاد کا سب سے بڑا دشمن ہے۔

مُلّا کی شخصیت کو ذلیل کرنے کے لیے ان ظالموں نے اُن شعائرِ دین کی تذلیل کا بھی اہتمام کیا جنہیں اللہ تعالیٰ اور اِس کے رسولؐ نے ہر مسلمان کے نزدیک واجب الاحترام ٹھیرایا ہے لیکن جو بدقسمتی سے صرف مولوی کے ساتھ مختص ہو کر رہ گئے ہیں۔ ان میں نمایاں مثال ڈاڑھی کی ہے۔ ہر وہ شخص جو اسلام کا معمولی علم بھی رکھتا ہے اِس حقیقت کو اچھی طرح جانتا ہے کہ ڈاڑھی حضور سرورِ دو عالم کی سنّت ہے اور اِسی وجہ سے اُسے صحابہؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ اور اُمّت کے سارے علماء، صلحاء اور اتقیاء نے نہ صرف خود رکھا بلکہ اِس کے رکھنے پر زور دیا۔ اب جو شخص اُس کا مذاق اُڑاتا ہے وہ درحقیقت اس مقدس ذات کی توہین کرتا ہے جس کی یہ سنّت ہے۔ مگر ہمارے ہاں دین سے غافل لوگ صبح شام اِس پر پھبتیاں کستے رہتے ہیں اور اِس کا ذکر اِس مکروہ انداز میں کرتے ہیں گویا جس شخص کے چہرے پر اسلام کی یہ علامت موجود ہے وہ جاہل، بیوقوف اور وقت کے تقاضوں سے یکسر نابلد ہونے کی بنا پر ایک اضحوکہ ہے جس کا جتنا بھی مذاق اُڑایا جائے کم ہے۔

یہ استہزاء صرف داڑھی ہی تک محدود نہیں ہوتا، بلکہ اس کی زد میں مولوی کا لباس اور اس کے اطوار بھی آجاتے ہیں۔ سادہ لوح لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس استہزاء سے شعائر دین کی توہین مقصود نہیں ہوتی، بلکہ یہ ایک خاص طبقہ کے چند تاریک خیال افراد کی بعض بھونڈی عادات پر ایک لطیف سی طنز ہوتی ہے تاکہ وہ ان پرانی عادات کو ترک کر کے نئے سانچوں میں ڈھلنے کی کوشش کریں۔ مگر یہ دین سے بیزاری پھیلانے والی تحریک کا نہایت ہی سطحی مطالعہ ہے۔ بھولے بھالے لوگ یہ رائے قائم کرتے ہوئے اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ جن اطوار کو وہ بھونڈی عادات کہہ کر ان کی اہمیت کم رہے ہیں وہ اسلامی تہذیب و تمدن کے مخصوص مظاہر ہیں جو زندگی کے بارے میں خدا پرستانہ طرزِ فکر کے ترجمان ہیں۔ یہ اِس بات کی واضح شہادت فراہم کرتے ہیں کہ جس تہذیب نے انہیں سوچنے اور حالات کو سمجھنے کا ایک مخصوص انداز دیا ہے اُس نے انہیں لباس و آرائش کا ایک خاص ذوق بھی عطا کیا ہے۔ اس بنا پر انسان کے ذوق کا اُس کے بنیادی عقیدہ سے نہایت گہرا تعلق ہوتا ہے۔ انسان کو جس ذات سے محبت اور عقیدت ہوتی ہے وہ نہ صرف اس کے افکار و نظریات کو قبول کرتا ہے بلکہ اس کے اطوار کو بھی امکانی حد تک اپناتا ہے اور یہ اُس کے اخلاص کی سب سے بڑی شہادت سمجھی جاتی ہے۔ چنانچہ وہ لوگ جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کے دعویدار ہیں اور ایمان کی اس دولت کو دُنیوی فلاح اور اخروی کامرانی کی واحد کلید تصور کرتے ہیں، وہ اپنے ایمان کے تقاضے کے تحت ہی اپنے دل میں اس شدید اُمنگ کو بھی پالتے ہیں کہ جہاں وہ ہادیِ برحق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معتقدات پر دل و جان سے یقین رکھنے والے ہوں، وہاں وہ حضورؐ کی سنت کے بھی پوری طرح متبع ہوں اور یہ اتباع اس لگن اور خوشدلی کے ساتھ کریں کہ ان کا ذوق حضور سرورِ دو عالمؐ کے ذوق کے یکسر تابع ہو کر رہ جائے۔ اِس حقیقت کو خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا ہے:

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ (شرح السنہ)

تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہش اس بات کے تابع نہ ہو جائے جو میں لایا ہوں۔

اسی طرح حضور سرورِ دو عالمؐ کے خادمِ خاص حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ نے ایک مرتبہ مخاطب ہو کر فرمایا:

مَنْ اَحَبَّ سُنَّتِیْ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ ، وَمَنْ اَحَبَّنِیْ کَانَ مَعِیَ فِی الْجَنَّۃِ ۔

جس نے میری سُنّت سے محبت کی اُس نے گویا مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی تو وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

اگر حضور سرورِ دو عالم کی سنّت سے محبت کسی شخص کے صاحبِ ایمان ہونے کی سند اور جنت کی بشارت ہے تو اُس سنت کے کسی ایک پہلو کی جان بوجھ کر بے حرمتی اور اُس کا استہزا ایمان سے محرومی اور نارِ غضب کا موجب بھی ہے۔ جو بدبخت سنت کی تذلیل کے درپے رہتا ہے، وہ درحقیقت اُس ذاتِ اقدس کے خلاف دل میں بغض رکھتا ہے جس کی وہ سنّت ہے کیونکہ اس بد باطن کو ایسا کرنے میں لطف محسوس ہوتا ہے۔ وہ چونکہ معاشرتی دباؤ کی وجہ سے کھُل کر اپنے اس بغض کا اظہار نہیں کرسکتا، اس لیے سنت پر طنز کے ذریعہ اپنے دل کے پھپھولے پھوڑتا رہتا ہے اور لوگوں کو یہ باور کراتا ہے کہ وہ روشن خیالی کا پرچار اور قدامت پرستی کے خلاف جہاد کر رہا ہے، درآنحالیکہ وہ اسلامی تعلیمات کے خلاف نفرت و حقارت کا جذبہ پھیلانے میں مصروف ہوتا ہے۔ جب ایسے دریدہ دہن کو اُس کی اِس مذموم حرکت پہ ٹوکا جاتا ہے تو وہ بڑے معصومانہ انداز میں جواب دیتا ہے کہ شعائرِ دین پر طنز سے اُس کا مقصد اُن کی تحقیر نہیں، وہ تو محض خوش طبعی کی خاطر ایسا کر رہا ہے۔ اور اگر بدقسمتی سے شعائرِ دین کی توہین کرنے والا ادیب اور شاعر ہو اور وہ اپنی ادبی دلچسپیوں سے بڑھ کر زندگی کے بارے میں اپنے کچھ ایسے نظریات بھی رکھتا ہو جو اسلامی افکار سے مختلف ہوں تو وہ اپنے خبثِ باطن کو یہ کہہ کر چھپاتا ہے کہ شعائرِ دین پہ اس کی طنز کا مقصد دین کی تذلیل نہیں بلکہ اس سے اُن افراد کے کردار پہ حرف گیری مقصود ہے جنھیں لوگ دین کے علمبردار سمجھتے ہیں۔ کس قدر اُلٹی منطق ہے یہ کہ اُنہیں جائز یا ناجائز شکایت تو چند داعیانِ دین کے بعض افعال و اعمال سے ہے اور اس کی وجہ بھی ہے کہ یہ ناقدین اُن کے ان افعال کو اسلامی تعلیمات کے مطابق نہیں پاتے، لیکن جب زبانِ طعن کھولنے کی باری آتی ہے تو وہ شعائرِ دین کے خلاف کھولی جاتی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ دین کے اِن "مصلحین" کو دیندار طبقے کی خامیوں کی اصلاح مقصود نہیں ہوتی، بلکہ ان کی تذلیل مدِّنظر ہوتی ہے تاکہ معاشرے میں اُن اقدار کی بے حرمتی ہو جن کے وہ امین تصوّر کیے جاتے ہیں۔ آخر یہ بات کس منطق کی رُو سے درست ہے کہ اسلام کے اِن "خیرخواہوں" (باقی برصفحہ ۴۸)

کا دل تو کڑھتا ہو علماء تو دین کی خلافِ اسلام حرکات دیکھ کر اور وہ اُن کی اصلاح کے فکر مند ہوں مگر مذاق اُڑایا جائے شعائرِ دین کا؟ صحیح بات یہ ہے کہ ان "مصلحینِ قوم" کو معاشرے کی غیر اسلامی روش سے قطعاً کوئی کوفت نہیں ہوتی، بلکہ اُن کے دل یہ اندوہناک صورتِ حال دیکھ کر مسرور ہوتے ہیں۔ انہیں اگر تشویش لاحق ہوتی ہے تو صرف اِس بات سے کہ عوام میں دینی اقدار کا کوئی احترام موجود ہے۔ اِس بنا پر وہ اُنہیں ہدفِ استہزاء بنا کر اُن کا وقار گرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ شعائرِ دین کا استہزاء خوش طبعی یا ادبی ذوق کی علامت نہیں، بلکہ دل میں دین کے خلاف کینہ و بغض کے وجود کی شہادت ہے۔ مفسرین اور فقہا نے اس امر کی صراحت کر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ، اُس کی آیات اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا استہزاء کفر ہے۔ احکام القرآن کے معروف مصنف امام ابوبکر احمد بن علی نے، جو دینی حلقوں میں الجصاص کے نام سے متعارف ہیں، سورۃ توبہ کی مندرجہ ذیل آیات پر بڑی تفصیل سے بحث کی ہے:

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ؕ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ	اگر آپ اُن سے سوال کریں تو کہہ دیں گے کہ ہم تو محض مشغلہ اور خوش طبعی کر رہے تھے۔ آپ کہہ دیجیے کہ اچھا تم استہزاء کر رہے تھے اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول کے ساتھ؟ اب بہانے نہ بناؤ۔ تم کافر ہو چکے ہو اپنے اظہارِ ایمان کے بعد۔

امام موصوفؒ اور دیگر فقہا کا فتویٰ یہ ہے کہ دین کا استہزاء خواہ لطیفہ گوئی اور خوش طبعی سے ہو یا ارادہ اور سنجیدگی سے کفر کے دائرہ میں آتا ہے، کیونکہ محولہ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ نے اُن کے عذرِ دل لگی کو بالکل مسترد کر کے حکمِ کفر اُن پر باقی رکھا ہے۔ حالتِ جبر و اکراہ کا حکم البتہ اس سے الگ ہے۔ بالفرض اِن "خوش باش" لوگوں کی یہ بات تسلیم بھی کر لی جائے کہ اُن کا مقصود شعائر اللہ کی توہین نہیں بلکہ محض خوش طبعی ہے جب بھی اُنہیں یہ سوچنا ضرور چاہیے کہ وہ دل لگی آخر کن چیزوں سے کر رہے ہیں؟ اللہ رب العزت، اُس کی قدرت اور اُس کے احکام سے؟ اُس کے رسولؐ سے جس کے بابرکت وجود سے ہمیں ایمان کی دولت نصیب ہے؟ یہ چیزیں آخر کسی صورت میں بھی محلِ استہزاء ہو سکتی ہیں؟